ابتدائیہ

ادب اور ادبی تحقیق و تنقید اپنے گرد و پیش کی صورتحال سے کبھی لاتعلق نہیں رہتی۔ ملکی ذرائع ابلاغ، برقی و اشاعتی میڈیا، سماجی رابطے کے وسائل اور ادبی رسائل و جرائد میں شائع ہونے والی تنقیدی و تحقیقی تحریروں اور افسانوں اور شاعری کی مختلف اصناف میں اس خطے کے سب سے ہولناک مسئلے ـــــ تشدد اور دہشت گردی کی صورتحال ـــــ کی بازگشت سنائی دیتی رہتی ہے۔ سوشل میڈیا پر اٹھنے والی آوازوں سے قطع نظر کہ وہ تو ہر طرح کے مال کی ایک بے چہرہ منڈی ہے، اگر ہم ادبی دانش کے ردعمل کو دیکھیں تو ایک شے بہت واضح نظر آتی ہے: ہمارا ادبی ضمیر اور دانش ور طبقہ اس صورتحال پر اپنا ردعمل دیتا تو ضرور ہے مگر اک ذرا احتیاط کے ساتھ: وہ عام عوام کی امنگوں اور خصوصاً اپنی قوم کی اجتماعی و ملی شعور سے ایک محتاط فاصلے پر کھڑا ہونا ضروری سمجھتا ہے تاکہ اس کی غیر جانبداری اور معروضی تجزیہ کاری مشتبہ نہ سمجھی جائے۔ آج ہماری جدید تعلیم یافتہ اجتماعی دانش بالعموم سیکولرائز ہو چکی ہے اور ایک ''خود ساختہ غیر جانبداری'' اس کے لیے بڑی اہم قدر ہوگئی ہے (کاش کہ ہوتی!)۔ جدید ذہن یوں تو زندگی کے کسی بھی مظہر کی مذہبی تعمیر سے حتی المقدور بچنا چاہتا ہے مگر جہاں تک شدت پسندی اور دہشت گردی کا تعلق ہے اس کا واحد سبب غیروں کی دیکھا دیکھی وہ مسلمانوں کی حس شدید (Hypersensitivity) کو قرار دیتا ہے حالانکہ اب تو خود مغرب میں بھی اس شدت پسندی کے اسباب کے تعین کے سلسلے میں مختلف آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ بعض ایسی رپورٹس بھی سامنے آ رہی ہیں جس میں مسلمان ملکوں میں شدت پسند اور دہشت گرد تنظیموں کی پیدائش، موجودگی اور فروغ کے اسباب میں مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے پراسرار عملی کردار کے شواہد بتائے جا رہے ہیں۔

صلیبی جنگوں کے دور میں اور اس کے بعد بھی مغرب کے شعور میں مسلمانوں کا تصور ایک سخت گیر، لڑاکا اور ظالم قوم کا رہا ہے، وہاں صدیوں تک مسلمانوں کے اس ''امیج'' کی تخلیق پر باقاعدہ کام ہوا ہے۔ پہلے تو تاریخ اور حقائق میں دست اندازی (Manipulation) کر کے اس تاثر کا فکشن اور افسانہ بنایا گیا اور بیسویں صدی کے نصف آخر کے بعد اس فکشن کو فلم بنا کر سینماؤں کے پردۂ اسکرین پر نہیں بلکہ جریدہ عالم کے پردے پر ثبت بھی کر دیا گیا ہے۔ افغانستان، عراق اور شام کے واقعات اس امر کے گواہ ہیں کہ مغربی اقوام کے لکھے اسکرپٹس پر جب جی چاہے اسے فلم بنا کر ''حقیقت کی دنیا'' میں چلا دینا مقتدر قوتوں کی سائنسی و فنی مہارتوں کے لیے چنداں مشکل نہیں۔

فرانسیسی ماہر سماجیات بودلیارد نے اس صورتحال کو ہائپر ریئلیٹی کا نام دیا ہے۔ ہائپر ریئلیٹی (Hyperreality) نشانیات اور مابعد جدیدیت کی ایک اصطلاح ہے۔ جس کے مطابق یہ ٹیکنالوجی کے اعتبار سے ترقی یافتہ اور جدید معاشروں میں شعور کی نااہلی کی وہ کیفیت ہے جب وہ حقیقت کو حقیقت کی نقل سے متمیز کرنے کی صلاحیت سے معذور ہو جاتا ہے۔ ہمارا شعور جس شے کو ''حقیقت'' قرار دیتا ہے وہ شے درحقیقت اصل حقائق کے بجائے میڈیا کا ساخت کردہ تصور ہوتا ہے۔ حقیقت اپنی اصل میں جو کچھ ہے وہ یا تو غیر اہم بن جاتی ہے یا وہ ساختیائی حقیقت کے مقابلے میں ناقابل اعتبار ہو جاتی ہے۔ وہ مذہب جس کا مادہ ہی امن و سلامتی کے قوام سے اٹھا تھا اسے دنیا کے سامنے خوف و دہشت کی ہولناک تصویر بنا دیا جاتا ہے۔ ہائپر ریئلیٹی کے بڑے نظریہ ساز ژاں بودلیارد نے اسی تصور کے پیش نظر کہا تھا کہ ''عراق جنگ کبھی ہوئی ہی نہیں''۔ دنیا نے اس مظہر کے عنوان سے جو کچھ دیکھا تھا اس کی حقیقت بڑی طاقتوں کی بنائی ہوئی ایک فلم سے زیادہ نہیں تھی۔ جس کے تمام کردار ماہر فلم سازوں اور ہدایت کاروں کے ذہن کی تخلیق تھے۔ اور جس بہانے کی آڑ میں یہ فلم چلائی گئی وہ بعد میں جب درست ثابت نہ ہوا تو منٹو کے الفاظ میں کہہ دیا گیا ''سوری۔ میشٹیک ہوگیا!''

یہی بات اگر بودلیارد کے بجائے ہمارے ہاں کا کوئی دانش ور کہتا تو اسے کم سے کم ''دیوانے ملاّ'' کا خطاب ضرور دیا جاتا۔مگر بودلیارد کو یہ سب کہتے ہوئے اپنی وہ ''غیر جانبداری'' متاثر ہونے کی ذرا فکر نہ ہوئی تھی جو ہمارے اردو دانش وروں کا روز کا مسئلہ ہے۔ہمیں اقبال کے بعد آج کسی ایسے صاحب دانش کی تلاش ہے جو ان کی طرح اپنے شعر و ادب اور فہم و دانش کو 'دور حاضر کے خلاف اعلان جنگ' قرار دینے کی جرات اگر نہ بھی کرے تو کم ازکم اپنی قوم کی اجتماعی، تہذیبی و ثقافتی امنگوں کا ترجمان ضرور بن جائے۔

☆☆☆

معیار کا تیرہواں شمارہ پیش خدمت ہے۔ سابقہ شماروں کی طرح اس میں بھی تحقیق، تدوین، مخطوطہ شناسی، سماجی ادبی مسائل، شاعری اور فکشن سے متعلق مقالات و مضامین کا ایک متنوع انتخاب پیش کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ یہ قارئین کی توجہ کو اس دفعہ بھی پوری طرح حاصل کرنے میں کامیاب ہوگا۔

مدیر
عزیز ابن الحسن